جناب مولانا غلام الرحمان صاحب
مدرس و مفتی دارالعلوم حقانیہ

اسلام کا نظام عدل و انصاف

لفظ عدل قرآن و حدیث کے مختلف مقامات پر مستعمل ہوا ہے جس کے مقابلہ میں ظلم آتا ہے۔ اہل لغت کے ہاں ظلم "گذاشتن چیزے در غیر محل آں"[1] کو کہتے ہیں۔ ظلم کے اس مفہوم کے اعتبار سے اس میں بہت وسعت موجود ہے۔ جو ادنیٰ سے ادنیٰ گناہ سے لے کر کبائر اور شرک تک شامل ہے۔ مثلاً خداوند عالم نے جس مقصد کے لئے انسان کو زبان دی ہے اگر زبان کا استعمال اس میں نہ ہو تو یہ ظلم ہے۔ تو ظلم کے مفہومی اعتبار سے اس کے مقابلہ میں بھی اس جیسی وسعت موجود ہے

عدل کی ہمہ گیری | اعضاء انسانی اور انعامات خداوندی کو اپنے محل میں استعمال کرنا عدل ہے۔ قرآن مجید میں جہاں قیام عدل کا مطالبہ بنی آدم سے ہوا ہے۔ وہاں عدل سے یہی عمومی معنی مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"انصاف قائم کرنا اور اس پر قائم رہنا صرف عدالت اور حکومت کا فریضہ نہیں ہے بلکہ ہر انسان اس کا مکلّف اور مخاطب ہے کہ وہ خود انصاف پہ قائم رہے اور دوسروں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے کوشش کرے ہاں انصاف کا ایک درجہ حکومت اور حکّام کے ساتھ مخصوص ہے۔ وہ یہ کہ شریر اور سرکش انسان جب انصاف کے خلاف اڑ جائیں۔ نہ خود انصاف پہ قائم رہیں اور نہ دوسروں کو انصاف کرنے دیں۔ تو حاکمانہ سزا اور تعزیر کی ضرورت ہے۔ یہ اقامت عدل و انصاف ظاہر ہے کہ حکومت ہی کر سکتی ہے۔ جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے۔ آج کی دنیا میں جاہل عوام کو چھوڑیئے، لکھے پڑھے تعلیم یافتہ حضرات بھی سمجھتے ہیں کہ انصاف کرنا صرف حکومت اور عدالت کا فریضہ ہے۔ عوام اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اور یہ وہ سب سے بڑی وجہ ہے۔ جس نے ہر ملک اور سلطنت میں حکومت اور عوام کو دو متضاد فریق بنا دیا ہے"[2]۔

قیام عدل کے مطالبہ کا تعلق انسان کے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ایک شعبہ سے ہے اور انسان کے اخلاق و کردار (CHARACTER) ظاہر و باطن، عبادات و معاملات، سیاست و مذہب۔ غرض ہر ایک

---

[1] غیاث اللغات صہ ۲۷۸ [2] معارف القرآن ج ۲ صہ ۵۷۱، ۵۷۲

شعبہ میں عدل کا ہونا ضروری ہے ۔ اس تعلق عامہ کے پیش نظر خداوند عالم نے جب انبیاء و رسل کو دنیا میں بھیج کر ان کی وجہ سے رشد و ہدایت کا درس نوع انسان کو دینا چاہا تو انبیاء کرام کی وساطت سے قیام عدل کا مطالبہ بھی کیا جس کی تکمیل کتب سماویہ سے کی گئی ۔ ارشاد ربانی ہے ۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۔ الآیۃ[1]

یعنی ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف ۔

شیخ الاسلام والمسلمین مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

" یعنی کتاب اس لئے اتاری کہ لوگ عقائد اور اخلاق و اعمال میں سیدھے انصاف کی راہ پر چلیں ۔ افراط اور تفریط کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں "[2]

الغرض بعثت انبیاء کے دیگر مقاصد کے علاوہ ایک اہم مقصد یہ قیام عدل بھی رہا ہے ۔

مروجہ قوانین اور ان کے نتائج | آج دنیا کی جس قوم پر آپ نظر ڈالیں تو قیام عدل کا یہ مطالبہ مختلف نعروں اور مختلف انداز سے آپ سنیں گے ۔ کہیں مساوات اور برابری کہیں انصاف اور حقوق کی بحالی کے عنوان سے عوام و خواص رطب اللسان ہیں ۔ مگر عملاً یہ عنقا کے مترادف ہے ۔ بلکہ دن بدن جرائم اور مظالم میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے ۔ قانون معطل ہے ۔ آج ہر ملک میں قانون سازی کے لئے اسمبلیاں قائم ہیں ۔ جرائم کے انسداد کے لئے مختلف قوانین وضع کئے جا رہے ہیں لیکن بجائے کمی کے زیادتی ہو رہی ہے ۔

نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے
میری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

آپ حضرات دو منٹ کے لئے خالی الذہن ہو کر عالمی سطح پر جرائم کے معیار کو دیکھیں تو یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی ۔ ۱۹۸۰ء میں اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق بین الاقوامی سطح پر چھ سالوں کے رہزنی میں ۹۷ فیصد چوری میں ۴۰ فیصد اور قتل میں ۱۰ فیصد اضافہ ہوا ہے[3]

اگر ایک طرف سائنسی دور میں انسداد جرائم کے لئے سائنسی آلات استعمال کئے جا رہے ہیں تو دوسری طرف مجرم نت نئے طریقے اختیار کر کے بڑی صفائی سے جرم کرتے ہیں اس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے امور ضروری ہونے چاہئیں جو انسداد جرائم کر سکے اور (PEACEFUL SOCIETY) پُرامن معاشرہ کا معیار ہوں ۔ آپ اقوام عالم کے مذاہب اور عقائد کو بھی دیکھ لیں ۔ نام نہاد ترقی یافتہ اقوام کے قوانین کا مطالعہ کریں

---

[1] سورۃ الحدید آیت ۲۵ [2] تفسیر عثمانی ص ۷۰۱ [3] بحوالہ روزنامہ جنگ ۲۰ نومبر ۱۹۸۰ء

مگر یقین کیجیئے کہ اس کا واحد علاج آپ کو آج سے چودہ سو سال پہلے کوہ صفا پر

یٰاَیُّھَا النَّاس قُولُوا لا الہ الا اللہ تفلحوا

کے داعی کے دئے ہوئے نسخہ کیمیا میں ملے گا جہاں مجرم جرم کرنے کے بعد خود اپنے جرم کا اعتراف اور اعلان کر کے قانون اور انصاف کا مطالبہ کرتا نظر آئے گا۔

نظام عدل کا مرکزی نکتہ | اسلام میں قیام عدل کا بنیادی نکتہ (BASIC POIENT) خوف خداوندی ہے جس کا تعلق فرد سے لے کر معاشرہ تک اور رعیت سے لے کر بادشاہ تک ہے اگر دل و دماغ میں خوف خدا موجود ہو اور نظریہ یہ ہو کہ آج میں جو کام کر رہا ہوں کل قیامت کے روز دربار خداوندی میں مجھ سے اس کی باز پرس ہو گی۔ اور مجھے ضرور جواب دینا ہو گا۔ تو اس عقیدہ کے بعد ہر ایک انسان قدم بقدم خیال رکھے گا۔ کہ کہیں ایسی غلطی سرزد نہ ہو جائے جو قیامت میں خسارہ اور ذلت کا باعث ہو۔

عدالت میں عدل کی کرسی پر بیٹھے ہوئے حاکم اور مجسٹریٹ کا اگر یہ عقیدہ ہو۔ سامنے ندامت اور پشیمانی کے عالم میں کھڑے ہوئے مجرم بھی اس ہتھیار سے مسلح ہوں تو یقین کر لیجیے کہ ظلم و ناانصافی کا نام ہی عالم سے فنا ہو جائے گا۔ مگر یاد رہے کہ یہ صرف خیالی یا فرضی تصور نہیں ہے بلکہ اسلام اور ہمارے اسلاف کی تاریخی زندگیوں میں اس کے واضح ثبوت موجود ہیں۔

حضرت ماعزؓ کا واقعہ | حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اپنے دور کا واقعہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ماعز بن مالکؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ مجھے پاک کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا، ماعز لوٹ جا۔ اللہ کے حضور توبہ و استغفار کر۔ راوی کہتا ہے۔ کہ ماعز قدرے دور گئے تھے کہ پھر لوٹ آئے۔ اور مکرر عرض کی، کہ اے اللہ کے رسول مجھے پاک کیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ چوتھی مرتبہ آپؐ نے فرمایا۔ میں تجھے کس چیز سے پاک کروں عرض کی، زنا سے۔ حضور نبی کریمؐ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ شخص پاگل تو نہیں؟ آپؐ کو بتایا گیا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔ آپؐ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ تو ایک شخص نے اٹھ کر ماعز بن مالکؓ کے منہ سے بو سونگھی۔ تو اس سے شراب کی بو نہ آئی۔ آپؐ نے پھر دریافت کیا۔ کیا تم نے زنا کیا ہے؟ ماعز نے عرض کی، ہاں مجھ سے زنا ہوا ہے۔ تب آپؐ نے حکم صادر فرمایا۔

تو حضرت ماعز کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے ابھی تین ہی دن گذرے ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا، ماعز بن مالک کے لئے مغفرت کی دعا کرو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے پوری امت پر تقسیم کیا جائے تو سب کے لئے کافی ہے [1]

[1] ترجمہ العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام ص ۲۸۸، ۲۸۹

اسی دورِ مبارک میں قبیلہ ازد کے بطن غامہ کی ایک عورت نے بھی اقرار جرم کیا تھا جس کے باعث اسے سنگسار کر دیا گیا۔

رات کی تاریکی میں خوفِ خدا کا اثر | خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو گشت کرتے ہوئے جب ایک ایسے مکان کے قریب سے گزرے جہاں والدہ اس بات پر اصرار کر رہی تھی کہ میں دودھ میں پانی ملاؤں گی۔ لیکن بیٹی انکار کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ دودھ میں ملاوٹ نہ کرو۔ والدہ کہتی ہے کہ عمرؓ اس وقت کہاں ہے۔ بیٹی جواب دیتی ہے کہ اگرچہ عمرؓ اس وقت یہاں موجود نہیں ہے لیکن عمرؓ کا خدا جو علیم و خبیر ہے وہ تو موجود ہے۔

اسلامی تاریخ نے خوفِ خداوندی کے اس جذبے شدت احساس کے اتنے نمونے محفوظ کر رکھے ہیں کہ ان کا بالاستیعاب احصار کرنا انسانی بس کی بات نہیں ہے۔

عرض کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ خوفِ خداوندی قیام عدل کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے۔ آخر رات کی تاریکی میں گھر کی چار دیواری کے اندر اس خدا ترس لڑکی کو دودھ میں ملاوٹ سے باز رکھنا۔ ماعز بن مالک کا کئے ہوئے کام پر پشیمان ہو کر بار بار واپس کرنے کے باوجود لوٹ لوٹ کر اپنے جرم کا اقرار کرنا۔ آخر کونسے جذبہ سے یہ لوگ سرشار ہیں؟ یہ وہی جذبہ ہے جسے ہم خوف خداوندی سے تعبیر کرتے ہیں۔

موانع عدل | عدل کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید نے واضح طور پر ان امور کی نشان دہی کر دی ہے جو قیام عدل کے لئے سب سے بڑے موانع اور رکاوٹیں ہیں۔ خاص کر شہادت اور قضا میں یہ امور انسان کو انصاف سے ہٹا کر ظلم پر آمادہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قرابت (RELATION) ۲۔ عداوت (ANIMLIS) ۳۔ مال و دولت (WEALTH)

قرابت | بسا اوقات ایک انسان تعلقات، قرابت اور رشتہ داری کے ماحول سے متاثر ہو کر درست اور صحیح فیصلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً گواہ اپنی شہادت میں ان تعلقات کی بنا پر جھوٹ بول کر ناجائز اور غیر مشروع امور کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ افسر مجاز اپنے بالا افسروں کے رعب سے غلط کام پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح عدل کو چھوڑ کر ظلم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس کی نشاندہی یوں کی گئی ہے۔

یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین۔

اے ایمان والو۔ قائم رہو انصاف پر۔ گواہ دو اللہ کی کی طرف اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا۔

شہادت حق اور قرابتیں | خداوند عالم نے ایمان والوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔

اے ایمان والو! تمام معاملات میں ادائے حق کے وقت بھی اور فیصلہ کے وقت بھی انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کی خوشنودی کے لئے سچی گواہی دینے والے رہو۔ اگرچہ وہ گواہی اور اظہار اپنی ہی ذات کے خلاف ہو یا والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابل ہو۔ [1]

گویا قانون اور انصاف کے سامنے رشتہ داری اور قرابت کوئی روک نہیں۔ والدیت اور ولدیت کے محبوب رشتوں کو بھی اس پر قربان کروگے۔ خود رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی مبارکہ میں اس کے رہنما اصول اور عملی نشان راہ موجود ہیں۔

حضرت اسامہؓ کی سفارش پر دربار نبوت کا ردعمل | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:۔

قریش کے قبیلہ مخزومی کی ایک عورت سے چوری کے فعل نے بہت پریشان کردیا۔ قریش نے باہمی مشورہ کیا کہ اس عورت کو ہاتھ کاٹنے کی سزا سے بچانے کے لئے حضورؐ کی خدمت میں سفارش کردینی چاہئے۔ سب نے حضرت اسامہؓ کو منتخب کیا کیونکہ وہ رسول اللہ کے محبوب رفیق تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس شفقت سے حسن اور حسین کو دیکھتے تھے حضرت اسامہؓ بھی اسی طرح منظور نظر تھے۔

حضرت اسامہؓ نے جب سفارش کی تو بارگاہ نبوت سے جلال آمیز ارشاد صادر ہوا۔

انتشفع فی حد من حدود اللہ ثم قام فاختطب فقال یا یہا الناس انما ھلک الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ و اذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد و ایم اللہ لو ان فاطمہ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا

(صحاح ستہ جلد اول ص ۵۱۵)

کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو پھر کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا کہ اے لوگو! بے شک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے۔ اور جب کوئی نادار چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اور خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ (خدانخواستہ چوری کرتی) تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا۔

ایک انسان جب کسی اعلیٰ عہدہ اور مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو اس کے تعلقات اور رشتہ داری بڑھ جاتی ہے۔ اجانب اقارب بن جاتے ہیں۔ مدتوں سے ٹوٹے ہوئے رشتے پھر جُڑ جاتے ہیں۔ لیکن مسلمان سے مذہب اسلام کا یہی مطالبہ ہے کہ قانون کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دی جائے۔

---

[1] بیان القرآن

عدل فاروقی کی ایک جھلک | خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ کے دورِ مبارک میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ حکمرانوں کے اعزا اور اقربا کو رعیت کے دوسرے افراد کے مقابلہ میں امتیازی مقام حاصل ہو۔ چناں چہ آپ کے صاحب زادے حضرت عبدالرحمٰن نے جب شراب پی تو ان پر بھی حد جاری کرنا لازمی قرار دیا گیا[1] نیز حضرت عمرؓ نے اپنے قریبی رشتہ دار قدامہ بن مظعون جو آپ کے سالے اور معزز صحابی تھے ان کو بھی اسی جرم میں اسّی کوڑے لگوائے[2]

ایک دفعہ آپ نے ایک آدمی سے گھوڑے کا مول بھاؤ کیا۔ پھر آزما کر دیکھنے کی خاطر اس پر سواری کرنے لگے۔ گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور زخمی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اس گھوڑے کو اس کے مالک کو واپس کرے۔ لیکن مالک نے واپس لینے سے انکار کیا۔ دونوں یہ مقدمہ لے کر قاضی شریح کی عدالت میں گئے۔ قاضی نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد فرمایا۔

امیر المومنین جو چیز آپ نے خریدی ہے اسے لے لیجئے ورنہ جس حال میں خریدی تھی اسی حال میں واپس کیجئے۔ حضرت عمرؓ بول اٹھے۔ اسے کہتے ہیں فیصلہ کرنا۔ پھر آپ نے شریح کو عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے کے بدلے کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔[3]

امیر المومنین قاضی کی عدالت میں | ایسے ہی حضرت علیؓ ایک مقدمہ میں فریق بن کر عدالت میں حاضر ہوئے فیصلہ امیر المومنین کے خلاف ہوا۔ اور آپ اسے محسوس نہیں کرتے جس کی تفصیل یہ ہے۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ کی زرہ گر پڑی جو ایک نصرانی کے ہاتھ لگی۔ حضرت علیؓ نے اسے دیکھ کر پہچان لیا۔ اور قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ نصرانی کا دعویٰ تھا کہ یہ اس کی اپنی زرہ ہے۔ قاضی شریح نے حسب قاعدہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس اپنے اس دعوےٰ کے اثبات کے لئے کیا ثبوت ہے؟ تو حضرت علیؓ نے اپنے لئے دو گواہ ایک اپنا بیٹا اور دوسرا اپنا آزاد کردہ غلام قنبر کو حاضر کیا۔

حضرت علیؓ کی رائے میں بیٹے کی گواہی والد کے لئے درست تھی۔ لیکن قاضی شریح نے فرمایا۔ کہ آپ کے بیٹے کی گواہی آپ کے لئے درست نہیں ہے اور دوسرا گواہ جو آزاد کردہ غلام ہے۔ اس ایک گواہ کی گواہی سے آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

چناں چہ زرہ کا فیصلہ نصرانی کے حق میں ہوا۔ اور اس فیصلے کا یہودی پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اور زرہ حضرت علیؓ کو واپس کر دی۔ لیکن حضرت علیؓ نے دوبارہ وہ زرہ اسے دے دی اور اس کے ساتھ ایک گھوڑا بھی اسے دیا۔[4]

---

[1] العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام صہ ۳۴۴ [2] تاریخ اسلام صہ ۲۰۷ [3] ایضاً صہ ۳۴۴ [4] نور الانوار صہ ۲۲۳

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نظام عدل کے قیام میں انسان کسی سے متاثر نہیں ہوگا۔ بلکہ آقا اور غلام، غریب اور امیر، ہر ایک کو ایک نظر سے دیکھا جائے گا۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ آج اگر کوئی افسر بالا ماتحت افسر کے خلاف فیصلہ صادر کرے تو معلوم نہیں اس انصاف کی وجہ سے اس فیصلہ کرنے والے کو کیا کیا سزائیں ملیں گی۔ اگر کسی خوف کی وجہ سے معزول نہ کرے لیکن انتقام کی آگ ہر وقت محکوم علیہ کے ذہن میں رہے گی اور فیصلہ کرنے والا انتظار کی گھڑیاں شمار کرتا رہے گا۔

انصاف کی نظر میں عمر فاروق اور ایک عام آدمی برابر ہیں

لیکن اسلام کے شیدائیوں کو جہاں حق بات نظر آئی۔ وہاں اپنے خلاف فیصلہ پر بھی راضی اور خوش رہے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا حضرت ابیؓ بن کعبؓ سے کچھ تنازع ہو گیا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے زید بن ثابتؓ کے یہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوئے۔ حضرت زیدؓ نے تعظیم کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر اپنے فریق ابی بن کعبؓ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابی بن کعب نے قاعدہ کے مطابق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی۔ زید بن ثابتؓ نے آپ کا لحاظ کر کے ابی بن کعب سے کہا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس ترجیحی سلوک پر آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں۔ اس وقت تک تم منصب قضا کے قابل نہیں ہو سکتے۔[1]

نظام عدل نے شاہان وقت کو بھی معاف نہیں کیا

ان مثالوں اور واقعات کا تعلق صرف خلفائے راشدین کے دور مبارک سے خاص نہیں ہے۔ بلکہ حقانیت اور حق گوئی کا یہ جذبہ ہمیشہ اسلاف اور بزرگان دین کا شیوہ رہا ہے۔ جہاں حق بات نظر آئی وہاں بادشاہ کو بھی معاف نہیں کیا۔

قاضی ابو یوسف عدالت کی کرسی پر بیٹھے ہیں۔ ایک شخص ان کے سامنے مقدمہ پیش کرتا ہے کہ عباسی بادشاہ ہادی سے ایک باغ کے بارے میں جھگڑا ہے۔ ابو یوسفؒ رائے قائم کرتے ہیں کہ حق اسی شخص کے ساتھ ہے مگر مشکل یہ ہے کہ گواہ بادشاہ کے پاس ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مدعی کا مطالبہ ہے کہ ہادی قسم کھائے کہ اس کے گواہ سچے ہیں۔ ہادی نے قسم کھانے کو اپنی توہین سمجھتے ہوئے اس سے انکار کیا۔ اور باغ اپنے مالک کو واپس کر دیا۔

(باقی)

---

[1] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۷۴